(الاخلاص)

حصہ دوم

(علم وعمل میں اخلاص کی اہمیت)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	ایک عام مرض	۷
۲	دنیا کی طرف میلان	۹
۳	نیت وعمل کی اہمیت	۱۰
۴	ایمان وعمل کے ساتھ نسبت کا فائدہ	۱۱
۵	بناوٹی پیروں کے ڈھکوسلے	۱۲
۶	دوگروہوں کی اصلاح	۱۳
۷	اخلاص نیت کی ضرورت	۱۴
۸	ادائیگی اعمال میں ہماری حالت	۱۵
۸	فرحت طبعی اور ریاء میں فرق	۱۵
۹	وسوسہ ریاء ریاء نہیں ہے	۱۷
۱۰	امور غیر اختیاریہ کا حکم	۱۷
۱۱	فرحت طبعی کی دوسری قسم	۱۷
۱۲	خوشی کی تیسری قسم	۱۸

۱۳	ریاء کی عجیب قسم	۱۹
۱۴	نیت کی خرابی	۲۰
۱۵	سلوک کی ابتداء وانتہاء	۲۰
۱۶	بعض گناہوں سے بچنے کی وجہ	۲۱
۱۷	ظاہر عمل اور حقیقت عمل میں فرق	۲۲
۱۸	حقیقت دین	۲۳
۱۹	عوام کا حال	۲۴
۲۰	اخلاص نیت کے معنی سمجھنے میں غلطی	۲۵
۲۱	عقلی مسئلے پر اشکال	۲۵
۲۲	نیت کے معنی	۲۶
۲۳	نیت کی اقسام	۲۷
۲۴	رفع اشکال	۲۷
۲۵	شرائط معالجہ	۲۸
۲۶	ہر جگہ حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے	۲۹
۲۷	تربیت کے دو طریقے	۳۰
۲۸	شیخ پر اعتماد	۳۱
۲۹	اتباع شیخ	۳۲

وعظ

(الاخلاص)

حصہ دوم

(علم وعمل میں اخلاص کی اہمیت)

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے جامع مسجد تھانہ بھون میں وسط جمادی الاخری ۱۳۲۹ھ کو بیٹھ کر اعمال وافعال میں اخلاص کی اہمیت وافادیت کے موضوع پر ایک وعظ ارشاد فرمایا تھا جس کو مولانا عبداللہ صاحب گنگوھی نے ہی قلم بند فرمایا تھا یہ وعظ اسی وعظ کا تتمہ ہے یہ وعظ جامع مسجد تھانہ بھون میں ۲۵ جمادی الاخری ۱۳۲۹ھ کو بیان فرمایا اس میں بھی علم وعمل میں اخلاص کی اہمیت کو بیان کیا ہے اور مولانا عبداللہ صاحب ہی نے اس کو بھی قلم بند فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ وعظ سے استفادہ کرنے والوں کو اپنے علم وعمل میں اخلاص کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۱/۵/۱۴۳۴ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد:**

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم (اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَاَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی نِیَاتِکُمْ ﴾ ''اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتے تمہارے اعمال اور نیتوں کو دیکھتے ہیں''

اس حدیث کے اول دو جز کا بیان جمعہ گذشتہ کو بالتفصیل ہو چکا ہے اخیر کے دو جز باقی حسب وعدہ آج کو بیان کرتا ہوں۔

ایک عام مرض

اس حدیث کے اختیار کرنے کی وجہ پہلے بیان کر چکا ہوں کہ ہر زمانہ میں ابنائے زمان(۱) مختلف امراض میں مبتلا ہوتے ہیں ان کے امراض میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہماری نظر ہمہ تن دنیا پر ہے (جس کو حضور ﷺ نے بعنوان صورت ومال تعبیر فرمایا) اور جو اصل چیز ہے جس پر مدار فلاح کا ہے یعنی دین (جس کو عمل اور نیت سے تعبیر فرمایا ہے) اُس پر بالکل نظر نہیں ہے عوام دنیادار تو اس مرض میں

(۱) اس زمانے کے لوگ۔

مبتلا ہی ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ جو دیندار ہیں یعنی اپنے کو دیندار کہتے ہیں یہ مرض ان میں بھی موجود ہے دنیادار کی جس قدر وقعت ان کے نزدیک ہے اس قدر دیندار کی نہیں مثلا ان کے پاس ایک دنیادار آوے اور ایک دیندار۔ اس دیندار کو نہ جاہ حاصل ہو اور نہ وہ شیخ اور بزرگ ہو نہ اُس کے پاس مال ہو نہ کوئی کمال اس کا مشہور ہو نہ وہ عالم اصطلاحی ہو بلکہ بقدر ضرورت دین کا علم بغیر پڑھے لکھے حاصل کرلیا ہو جیسا کہ اکثر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تھا چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے روحی فداہ(۱) نے اس باب میں فرمایا ہے: (نَحْنُ اُمَّةٌ اُمِيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسِبُ) ''ہم ان پڑھ لوگ ہیں نہ لکھنا جانتے ہیں نہ حساب جانتے ہیں'' کیونکہ پڑھنا لکھنا مقصود بالذات تو ہے ہی نہیں اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اس کی ضرورت تھی ہر صحابی کو نور فہم اور علم دین بے لکھے حاصل تھا بعد زمانہ خیرت نشانہ(۲) کے نہ تو وہ قوت حافظہ رہی اور نہ تدین عالم(۳) رہا اس وقت تدوین علوم کی اور بطرز خاص تدریس وتعلیم وتعلم کی حفاظت علوم کے لئے بھی اور غلط دعویٰ اور تلبیس کے قطع کرنے کے لئے بھی ضرورت واقع ہوئی غرض فرض کیا جاوے کہ اس شخص کا علم غیر درسی ہو کہ جس سے کچھ وقعت ہوتی اور یہ شخص عفیف صالح متقی بھی ہے اور ظاہری حالت اس کی یہ ہے کہ صورت بھی اس کی بدنما ہو کپڑے بھی خستہ ہوں اور حسب ونسب اس کا اچھا نہ ہو بلکہ ایسی قوم میں سے ہو جو ادنیٰ درجہ کی سمجھی جاتی ہو۔ غرض ظاہری امتیاز کچھ نہ ہو اور دوسرا شخص دنیا دار ہو دین کا کوئی پہلو لئے ہوئے نہ ہو نہ زہد ہو نہ تقویٰ نہ علم ہو اور نسب میں بھی بڑھا چڑھا ہو اور یہ دونوں شخص یکے بعد دیگرے ان مدعی(۴) دین کے پاس آویں تو میں بقسم کہتا ہوں

(۱) میری جان آپ پر قربان ہو (۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین زمانے کے بعد (۳) دینداری (۴) دین کے دعویدار۔

اور کسی کو کیا کہوں خود اپنے کو کہتا ہوں کہ جو قدر اور وقعت اور وجاہت نظر میں اس دنیادار کی ہوگی اس دیندار کی نہ ہوگی۔

دنیا کی طرف میلان

حق یہ ہے کہ نفوس میں عموماً دنیا کی طرف میلان ہے۔ ظاہری جاہ و مال کو دیکھا جاتا ہے اگرچہ وہ جاہ دین کی وجہ سے حاصل ہو بزرگوں میں سے بھی اسی بزرگ کی تعظیم کریں گے جس کی چار آدمی تعظیم کرتے ہوں اس لئے کہ اس کی تعظیم و خدمت کرنے سے عار نہیں ہے یہ سخت کید خفی ہے[۱] ظاہراً تو یہ تعظیم و خدمت نہایت صلاح کے اوپر دال ہے لیکن راز اور کید نفس[۲] اس میں یہ ہے کہ ان بزرگ کی خدمت اور تعظیم اس لئے کرتے ہیں کہ اس فعل سے لوگوں کی نظر میں خود اپنے کو بڑائی حاصل ہوتی ہے پس ہماری یہ تعظیم اپنی تعظیم کے لئے ہے اسی واسطے اس خدمت اور تعظیم سے نفس خوش ہوتا ہے کچھ شکستگی اس کو نہیں ہوتی۔

اپنے اساتذہ میں اگر دو شخص ہوں ایک مشہور اور دوسرا غیر مشہور تو ہم اپنے کو مشہور کی طرف نسبت کرتے ہیں غیر مشہور کی طرف نسبت کرتے ہوئے عار[۳] آتی ہے۔ اسی واسطے بزرگان دین نے لکھا ہے کہ ریا بہت آخر میں دل سے نکلتی ہے۔ ہاں اگر یہ اکرام دنیا کے لئے نہ ہو دفع شر[۴] یا دلجوئی کے لئے ہو اور غریب کی تحقیر بھی نہ ہو تو وہ مذموم[۵] نہیں حقیقت یہ ہے کہ ہم لوگوں کی دینداری بس صورۃً اور ظاہراً ہے اور حقیقی دینداری بہت ہی کم ہے خود ہی فرماتے ہیں: (وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ) ''میرے بندوں میں سے شکر گزار بندے کم

(۱) یہ بہت بڑی پوشیدہ بیماری ہے (۲) نفس کا پوشیدہ مکر (۳) شرمندگی ہوتی ہے (۴) اس کے شر سے بچنے یا اس کی دلداری کے لئے ہو (۵) برا نہیں۔

ہیں'' اکثر لوگ رسم پرستی اسم پرستی ظاہر پرستی میں مبتلا ہیں(۱) اور یہ سب دنیا ہے اور دنیا کی نسبت ارشاد ہے(لَوْ كَانَتْ الدُّنْيَا تَزِنُ عِنْدَ اللّٰهِ جِنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى مِنْهَا كَافِرًا شِربةَ مَاءٍ)یعنی اگر دنیا اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پَر کے برابر بھی قدر رکھتی تو کافر کو اس سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتے۔

حاصل یہ کہ خواہ حسب نسب کی وجہ سے قدر ہو یا علم کی وجہ سے ہو نہ من حیث العلم(۲) بلکہ اس حیثیت سے کہ علم سے بھی جاہ دنیوی حاصل ہوتا ہے یا مال کی وجہ سے ہو سب دنیا ہے اور اسی کو صورت اور اموال سے تعبیر فرمایا ہے اس کو نظر انداز کرنا چاہئیے۔

نیت وعمل کی اہمیت

اور دین جس کو اعمال اور نیات فرمایا اس پر نظر ہونا چاہئیے حتی کہ اگر دوسروں کی قدر کی جاوے تو دین ہی کی وجہ سے ہونا چاہئیے۔ اور اس مقام پر حضور ﷺ نے بجائے لفظ دین کے دو چیزیں ارشاد فرمائی ہیں ایک عمل دوسری نیت اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ دین کا مدار اعمال پر ہے کسی اور شئے پر مثلاً کسی دنیوی ودینی شرف کی طرف، انتساب پر نہیں، بہت لوگ آج کل مغرور ہیں کہ ہم فلاں بزرگ کے مرید ہیں ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں ہماری نجات ہوجاوے گی اعمال کی ہم کو ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ ہی ان لوگوں کے رد میں فرماتے ہیں ﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾(۳) جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ لوگ گذر گئے ان کے لئے ان کے

(۱) اکثر لوگ رسموں، نام ونمود اور ظاہری ٹیپ ٹاپ کو دیکھتے ہیں (۲) علم کی وجہ سے بھی قدر صرف عالم ہونے کی وجہ سے نہ ہو (۳) سورۃ البقرہ: ۱۳۴۔

اعمال ہیں تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں تم سے ان کے اعمال کی نسبت سوال نہ ہوگا۔ ہاں بزرگوں کے انتساب سے برکت البتہ حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ اعمال وعقائد کا ذخیرہ بھی اپنے پاس موجود ہو اور اگر اعمال نہ ہوں نہ عقائد صحیح ہوں تو نری برکت کیا کام آوے گی برکت کی مثال چٹنی اور مربے کی سی ہے اور اعمال کی مثال غذا کی سی ہے جو کہ جزو بدن ہوتی ہے۔ مربے اور چٹنی معین ہضم طعام ضرور ہیں (۱) لیکن غذا بھی ہونی چاہئیے اور اگر غذا نہ ہو صرف مربے اور چٹنی مہمان کے سامنے رکھدیں اور روٹی وغیرہ کچھ نہ ہو تو کیا اس سے کام چل سکتا ہے۔ پس اسی طرح انتساب الی الانبیاء والاولیاء باعث برکت فی الاعمال ہے نہ کہ نجات کے لئے انتساب ہی کافی ہو اسی لئے حضور ﷺ نے اپنی خاص بیٹی کو خطاب کر کے فرمایا: (یَا فَاطِمَةُ اِنْقَذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّیْ لَا اُغْنِیْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا) یعنی ''اے فاطمہ اپنے نفس کو آگ سے بچاؤ میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا یعنی اگر تمہارے پاس اعمال کا ذخیرہ نہ ہوگا تو میں کچھ کام نہ آؤں گا''۔

ایمان وعمل کے ساتھ نسبت کا فائدہ

اور اس کی نفی نہیں کہ اعمال کے ہوتے ہوئے بھی باعث ترقی درجات ہونا خود منصوص ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ ''یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ان کا ایمان کے ساتھ اتباع کیا ہم اس اولاد کو بھی ان کے ساتھ ملادیں گے اور ان کے عمل میں سے کچھ کمی نہ کریں گے''

خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ اولاد کے اعمال اس درجہ کے نہ ہوں جیسے کہ آباء (۲)

(۱) کھانا ہضم کرنے میں مددگار (۲) جیسے اعمال باپ دادا کے تھے۔

کے تھے لیکن اگر اس اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کا اتباع کیا ہوگا تو ہم ان کو ان کے آباء کے درجہ میں پہنچادیں گے تو اس الحاق کا انکار نہیں ہوسکتا مگر اس کی کوئی دلیل نہیں کہ صرف یہ انتساب ہی الحاق (۱) کے لئے کافی ہے بلکہ اس آیت میں ایمان کو خود شرط فرمایا ہے اور (مَا اَلَتْنٰهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَیْءٍ) ''اور ان کے عمل میں سے کچھ کمی نہ کریں گے'' میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضروری عمل بھی شرط ہے کیونکہ دفع دخل میں یہ فرمایا کہ ہم ان اسلاف کے عمل سے کچھ کم نہ کریں گے اس سے صاف معلوم ہوا کہ اصل مدار درجات کا عمل ہے اور ظاہر ہے کہ اصل کا ہونا ضروری ہے اور یوں اضافہ خواہ غیر عمل سے ہوجاوے پس خود آیت میں بھی دلالت ہوگئی کہ آباء کے مرتبہ میں ذریت اُس وقت پہنچے گی جبکہ اعمال اور عقائد دونوں کا ضروری ذخیرہ جمع ہو۔

بناوٹی پیروں کے ڈھکوسلے

آجکل کے پیروں نے اپنی دکان جمانے کے لئے اور دنیا کمانے کے لئے اپنے مریدین کے دلوں میں یہ جمارکھا ہے کہ تم کو اعمال کی کچھ ضرورت نہیں ہم جو کچھ کررہے ہیں یہی تمہارے لئے کافی ہے۔ افسوس پیری مریدی کی غرض تو اصلاح نفس اور مجاہدۂ نفس تھی کہ خود شاید عمل کی توفیق نہ ہوتی پیر کے اثر یا تاکید سے عمل کی توفیق ہوجاوے گی اور نفس مہذب (۲) ہوجاوے گا اب لوگوں نے اس طریق کو تعطل کا (۳) آلہ بنارکھا ہے ایک ایسے پیر کی حکایت ہے کہ وہ ایک گاؤں میں گئے اور لاغر اور کمزور ہورہے تھے مریدوں نے پوچھا کہ پیر جی دُبلے کیوں

(۱) ان یک ساتھ درجات میں شریک ہونے کے لئے صرف یہ نسبت ہی کافی ہو (۲) نفس سدھر جائے گا (۳) عمل کے ترک کرنے کا ذریعہ۔

ہورہے ہو کہنے لگے ارے کم بختو تمہاری ہی وجہ سے تو دبلا ہورہا ہوں اور تم کو خبر بھی نہیں تمام کام تمہاری طرف سے مجھے ہی کرنے پڑتے ہیں تم نماز نہیں پڑھتے تمہاری طرف سے نماز پڑھتا ہوں تم روزے نہیں رکھتے میں روزے رکھتا ہوں پھر سب سے بڑھ کر یہ مصیبت کہ پلصراط پر جو کہ تلوار سے تیز اور بال سے باریک ہے اس پر بھی چلتا ہوں۔

مرید بہت خوش ہوئے کہ پیر ہی سب کام ہماری طرف سے کرلیتے ہیں اور ایک مرید خوشی میں بولا کہ جا میں نے تجھ کو فلاں کھیت وہاں (۱) کا دیا پیر بہت خوش ہوئے مگر یہ بھی سوچے کہ اس نے کھیت تو دے دیا لیکن قبضہ ہمارا اس پر ہوا نہیں مبادا یہ زبانی ہی زبانی لین دین (۲) ہوا مناسب یہ ہے کہ قبضہ کرلیں اور اس کو دیکھ لیں یہ سوچ کر اس مرید سے فرمایا کہ چل کر دکھلادے وہ ساتھ ہوا اور پیر صاحب تشریف لے چلے اول کے کھیت میں پانی زیادہ تھا اور مینڈ (۳) تنگ تھی ایک جگہ پیر صاحب پھسل پڑے مرید نے ایک لات جڑی (۴) اور کہا کہ ارے تو پلصراط پر کیا چلتا ہوگا اتنے چوڑے رستہ میں تو تجھ سے چلا نہ گیا تو جھوٹا ہے جا ہم تجھ کو کھیت نہیں دیتے۔ آجکل کے پیروں نے خوب سمجھادیا ہے کہ جو چاہو کرو سب بخشے جاؤ گے۔

دو گروہوں کی اصلاح

اس حدیث شریف میں اس زعم باطل کا رد ہے اسی واسطے بجائے لفظ دین کے لفظ اعمال فرمایا اور ہر چند کہ عمل میں نیت بھی آگئی تھی لیکن نیت کو علیحدہ

(۱) چاول کا کھیت (۲) کہیں ایسا نہ ہو کہ اس نے صرف زبانی کہدیا ہو (۳) منڈیر جس پر چل کر جانا تھا وہ پتلی تھی (۴) لات ماری۔

اس لئے بیان فرمایا کہ یہ معلوم ہوجاوے کہ خود اعمال ہی جب معتبر ہیں جبکہ نیت درست ہو اور نیز ان دولفظوں سے دو گروہوں کی اصلاح فرمائی لفظ اعمال سے تو غالب عوام کی کیونکہ عوام کو دنیا کے دھندوں میں شب و روز غلطاں پیچاں (۱) رہنے سے اکثر اعمال کی طرف توجہ کم ہوتی ہے لیکن بدنیتی یعنی ریاء وغیرہ سے اس لئے مبرّا ہیں کہ ان کو کوئی بزرگ نہیں سمجھتا اس لئے وہ اس کا قصد بھی نہیں کرتے اور لفظ (نیات) سے غالب خواص کی جو دیندار کہلاتے ہیں تمام شعائر اسلام کے پابند ہیں لیکن اخلاص سے خالی ہیں اس لئے کہ ان کی یہ دینداری محض صورتاً ہے۔ روح دین کی ان کو حاصل نہیں ایسے لوگوں میں اکثر مرض ریا کا ہوتا ہے ان کو لفظ نیت سے اخلاص کی طرف متوجہ فرمایا تو مطلب یہ ہے کہ یہ جو کچھ نماز روزہ ذکر حج زکوٰۃ تم کرتے ہو اگرچہ نفس اعمال نفع سے خالی نہیں ہیں اور بہ نسبت اس شخص کے جو کچھ نہ کرے اس سے بدرجہا بڑھ کر ہے مگر جو اصل مقصود ہے یعنی رضا وہ جب ہی حاصل ہوگا جبکہ اخلاص بھی ہو۔

اخلاص نیت کی ضرورت

اور اس کی ایسی مثال ہے کہ دو شخص کسی بادشاہ کے ہاں گئے ایک تو ہدیہ لے گیا اگرچہ وہ ہدیہ بادشاہ کے لائق نہ ہو اور دوسرا بغیر ہدیہ کے گیا تو اگرچہ اس ہدیہ لے جانے والے کی یہ شکایت تو نہ ہوگی کہ ہدیہ کیوں نہ لایا جیسا اس دوسرے سے یہی باز پرس ہوگی اور اس اعتبار سے یہ اس سے غنیمت ہے مگر یہ شکایت ضرور ہوگی کہ تمہارا ہدیہ ہمارے لائق نہیں اور چونکہ مقصود ہدیہ سے ارضاء ہے (۲) اور اگر وہ حاصل نہ ہوگا تو ہدیہ کالعدم ہوگا اسی طرح مقصود عبادت سے

(۱) دنیا کے کاموں میں ہر وقت الجھے رہتے ہیں (۲) ہدیہ سے مقصود خوشنودی ہے۔

رضاء ہے پس جس عبادت میں غرض فاسد کی آمیزش ہو اور نیت درست نہ ہو تو ایسی عبادت کا بھی عدم وجود برابر ہوگا سو ہم لوگ اعمال کرتے ہیں مگر ہمارے اغراض اکثر فاسد ہوتے ہیں۔

ادائیگی اعمال میں ہماری حالت

چنانچہ اہل علم اہل زہد(۱) اپنی حالت کا موازنہ صحیح کر کے دیکھیں تو زیادہ حصہ اپنے اعمال میں اغراض نفسانیہ کا پائیں گے عبادات نافلہ تلاوت قرآن و ذکر و نوافل تہجد اور جو اعمال اخفا کے قابل ہیں(۲) ان کو کر کے ہمارا جی چاہتا ہے کہ ان کا عام طور پر ظہور ہو جاوے اور لوگوں میں ہم عابد زاہد مشہور ہوں مثلاً تہجد میں اگر کوئی شب کو ایسے وقت اٹھا کہ کسی کو خبر نہ ہوئی اور تہجد پڑھ کر سو رہا تو اس حالت میں اور جس حالت میں کہ دوسرے کو اطلاع ہو بڑا فرق ہوتا ہے اطلاع ہونے پر بڑی خوشی ہوتی ہے اور اگر اطلاع نہ ہو تو جی چاہتا ہے کہ کسی طرح ظہور ہو جاوے اور اس کے متجسس رہتے ہیں(۳) کہ کوئی ہمارا ذکر تو نہیں کرتا اگر کسی نے ذکر نہ کیا تو نفس کو ایک طرح کا افسوس ہوتا ہے کہ رات کا اٹھنا بیکار ہوا۔ اسی طرح تمام اعمال میں ہماری یہ حالت ہے۔

فرحت طبعی اور ریاء میں فرق

جاننا چاہئیے کہ عمل نیک کے دیکھنے پر جو دل خوش ہوتا ہے اس خوشی کی تین قسمیں ہیں ایک تو طبعا جی خوش ہوتا ہے کہ الحمدللہ اس شخص نے ہم کو اچھی حالت میں دیکھا یہ خوش ہونا تو ایسا ہے جیسے لذیذ کھانا کھانے سے جی خوش ہوتا ہے طبیعت کا مقتضا ہے کہ اچھی شئے سے خوشی ہوتی ہے غرض یہ فرحت تو آثار طبعیہ میں سے

(۱) علماء اور زاہدین (۲) جن اعمال کو چھپا کر کرنا چاہئیے (۳) اور اس کی تلاش رہتی ہے۔

ہے اس کے ازالہ اور رفع (۱) پر قدرت نہیں ایسے خوش ہونے میں کچھ ملامت نہیں اہل خلوص کو سخت غلطی ہوتی ہے کہ اس فرحت میں اور ریاء میں ان کو امتیاز نہیں ہوتا اس لئے اہل خلوص کی اصلاح کی بھی ضرورت ہے وہ رات دن اسی غم میں گھلتے ہیں کہ ہماری نماز کو جو فلاں شخص نے دیکھا اور ہم کو خوشی ہوئی یہ بھی ریاء ہوگئی حالانکہ یہ فرحت طبعی ہے ریاء نہیں مگر یہ نہیں سمجھتے اور اپنی عبادت کو بیکار جانتے ہیں اور شب و روز اسی غم میں رہتے ہیں انجام ایسے اخلاص کا یہ ہوتا ہے کہ شیطان بہکا دیتا ہے کہ جب تمہارا عمل کارآمد نہیں ہے تو ایسے عمل سے فائدہ ہی کیا پس یہ شخص مایوس ہوکر اس عمل ہی کو چھوڑ دیتا ہے اور کبھی عمل تو نہیں چھوڑتا لیکن اخلاص کے اندر سعی (۲) ترک کر دیتا ہے اور بعض مرتبہ یہ مضرت (۳) ہوتی ہے کہ اپنے شیخ سے بدگمانی ہوجاتی ہے کبھی ان کے کمال میں بدگمانی ہوجاتی ہے کہ میاں اگر یہ صاحب کمال ہوتے تو ہم کو اخلاص ضرور نصیب ہوتا اور کبھی توجہ میں بدگمانی ہوتی ہے کہ ہماری طرف توجہ نہیں ہے اور یہ کفران نعمت ہے جو شخص تمہارا مربی اور مصلح ہو اور اس کو ہر وقت تمہارا خیال رہتا ہو یہ خیالات تمہارے اگر اس کو معلوم ہوجاویں تو اس کا دل ضرور دکھے گا اور نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ نعمت تم سے سلب ہوجاوے گی۔ یہ غلو فی الاخلاص ہے (۴) کہ ایک دولت حاصلہ کی نفی کر رہے ہو (۵) کسی درویش سے ایک ہاتھی سوار نے کہا کہ باوا دعا کرو کہ ترقی ہو درویش نے کہا کہ باوا ہاتھی پر تو سوار ہے کیا بانس پر سوار ہوگا اسی طرح تم کو اللہ تعالیٰ نے اخلاص نصیب فرمایا ہے اس کا شکر ادا کرنا چاہئیے نہ کہ اس کا کفران کیا جاوے غرض یہ فرحت طبعی ہے اس کو ریا سمجھنا غلطی ہے۔

(۱) اس کو دور کرنے پر قدرت نہیں (۲) اخلاص حاصل کرنے کی کوشش ترک کر دیتا ہے (۳) نقصان ہوتا ہے (۴) اخلاص میں غلو ہے (۵) حاصل شدہ نعمت کا انکار کر رہے ہو۔

وسوسہ ریاء ریاء نہیں ہے

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ ریاء اعمال اختیاریہ میں سے ہے اور وسوسہ ریاء غیر اختیاری پس وسوسۂ ریا، ریا نہیں ہے جیسے کہ وسوسہ کفر کفر نہیں خود صحابہ رضی اللہ عنہم کو وساوس آجاتے تھے۔

بس وسوسۂ ریاء سے ریا کار نہیں ہوتا ہے یہ بھی شیطان کی رہزنی کا ایک طریق ہے کہ ضروری مقصود سے دور کر کے اس دھندے میں لگا دیتا ہے۔

امور غیر اختیاریہ کا حکم

پس یہ ایک قاعدہ کلیہ نکل آیا کہ جو امر غیر اختیاری ہو وہ مذموم نہیں (۱) اور اس قاعدے کے ذہن نشین کر لینے سے بہت سے صعوبات جو سالک کو پیش آتے ہیں سب حل ہو جاتے ہیں عارف شیرازی اسی کو فرماتے ہیں ؎

درطریقت ہرچہ پیش سالک آید خیر اوست برصراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

''طریقت میں جو کچھ سالک کو پیش آئے اس کے لئے خیر ہی ہے صراط مستقیم پر کوئی گمراہ نہیں ہے''

پیش آید کا مطلب یہی ہے کہ جو بلا اختیار پیش آوے وہ اس کے لئے خیر ہی خیر ہے اور فعل اختیاری تو پیش آور (۲) ہوتا ہے اس پر البتہ مواخذہ ہوگا۔

فرحت طبعی کی دوسری قسم

حاصل یہ کہ ایک قسم تو خوش ہونے کی یہ ہوئی اور دوسری قسم یہ ہے کہ دوسرے کے دیکھنے سے اس لئے خوشی ہوتی ہے کہ ہمارے اعمال نیک دیکھنے سے

(۱) برے (۲) اختیاری فعل تو یہ خود کرتا ہے۔

اس کو بھی توفیق ہوگی اور اس کا ثواب ہم کو بھی ملے گا۔ یہ خوشی بھی مذموم (۱) نہیں ہے۔ مگر یہاں مبتدی کو ایک دھوکا ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اس اظہار سے اصل مقصود تو نفس میں یہی ہوتا ہے کہ میری جاہ (۲) بڑھے اور لوگ مجھ کو معظم سمجھیں مگر ذہن تراش یہ لیتا ہے کہ میں اس لئے اظہار کرتا ہوں کہ لوگ دیکھ کر میرا اقتدا کریں لہذا مناسب مبتدی کے حال کے یہی ہے کہ اظہار کا قصد ہی نہ کرے البتہ کوئی صاحب کمال ہو اور نفس اس کا فنا ہو چکا ہو اور وہ اظہار عمل کا اس نیت سے کرے تو اس کو جائز ہے اور باعث ثواب ہے اسی واسطے بزرگوں کا قول ہے (رِیَاء الشَّیْخِ خَیْرٌ مِّنْ اِخْلَاصِ الْمُرِیْدِ) یعنی شیخ کا اظہار مرید کے اخلاص سے بہتر ہے یہاں ریا بمعنی لغوی ہے اصطلاحی نہیں مطلب یہ ہے کہ شیخ کا اظہار چونکہ موجب نفع متعدی ہے کہ دوسرے دیکھ کر اقتداء کرتے ہیں اس لئے وہ مرید کے اخلاص سے کہ اس کا نفع اسی کی ذات تک ہے بہتر ہے پس اس مقصد سے اگر خوشی ہو تو یہ خوشی عبادت ہے۔

خوشی کی تیسری قسم

تیسرے خوشی اظہار عبادت پر اس لئے ہوتی ہے کہ ہماری نیک نامی ہوگی اور لوگ ہمارے معتقد ہوں گے یہ ریاء ہے اور مذموم ہے اور اس کے لئے سخت وعیدیں حدیث شریف میں آئی ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے روز شہید کو بلایا جاوے گا اور کہا جاوے گا کہ ہم نے تجھ کو فلاں فلاں نعمت دی تھی تو نے اس کا کیا شکر ادا کیا وہ عرض کرے گا کہ اے رب میں نے آپ کی راہ میں جان تک دے دی ارشاد ہوگا کہ تو نے ہمارے واسطے نہیں کیا بلکہ محض اس لئے کہ شجاع مشہور ہو سو یہ غرض حاصل ہوگئی اب یہاں کیا لیتا ہے اور حکم ہوگا کہ اس کو منہ کے بل اولٹا

(۱) بری (۲) مرتبہ۔

گھسیٹ کر دوزخ میں پھینک دو چنانچہ یہ اسی طرح پھینک دیا جاوے گا پھر اسی طرح ایک عالم اور ایک سخی سے گفتگو ہوگی اور ان دونوں کے عمل میں بھی یہی حسب شہرت کا نقص نکالا جاوے گا اور ان سب کو دوزخ میں ڈالدیا جاوے گا۔ دیکھئے یہ افضل الاعمال ہیں مگر ریا ایسی شئے ہے کہ ان اعمال کو بھی اس نے بیکار کردیا۔

ریاء کی عجیب قسم

ایک عجیب بات سنئے کہ بعض اوقات آدمی خدا سے بھی ریا کرتا ہے آپ کو حیرت ہوگی کہ خدا سے ریا کیسے ہوسکتی ہے میں عرض کرتا ہوں کہ اس کی صورت یہ ہے اور بہت واقع ہوتی ہے کہ ایک آدمی کی عادت تھی کہ سب کے سامنے تو لمبی لمبی نمازیں پڑھتا تھا اور خلوت میں جلدی جلدی اس کے بعد اس کو شرم آئی کہ افسوس میں خلوت میں (۱) جلدی جلدی نمازیں پڑھتا ہوں اللہ تعالیٰ مجھ کو کیا کہیں گے اس لئے جلوت (۲) کی سی نماز پڑھنے لگا لیکن نہ اس وجہ سے کہ اصل مقصود خلوت کی تطویل ہے بلکہ اس وجہ سے کہ اصل مقصود جلوت کی تطویل ان ہی اغراض فاسدہ کے لئے ہے مگر خلوت کی تطویل اس لئے اختیار کی ہے کہ اس سے وہ تطویل جلوت مورد الزام (۳) نہ ہو پس اصل مقصود تو اس کا یہی ہے کہ مخلوق کے نزدیک میری قدر ہو مگر اللہ میاں کے الزام سے بچنے کے لئے تنہائی میں بھی وہ لمبی لمبی پڑھنے لگا یہ ہے ریا خدا تعالیٰ کے ساتھ۔

---

(۱) تنہائی میں (۲) جیسی نماز سب کے سامنے پڑھتا تھا ویسی پڑھنے لگا (۳) تنہائی میں لمبی نمازیں اس لئے پڑھنی شروع کردیں کہ لوگ اعتراض نہ کریں کہ سب کے سامنے تو لمبی نماز پڑھتے ہیں اور تنہائی میں مختصر معلوم ہوا مقصود تنہائی میں لمبی نماز پڑھنا نہیں ہے بلکہ اعتراض سے خود کو بچانا ہے۔

نیت کی خرابی

اور بعض اوقات نیت اچھی نہیں ہوتی مگر فرضی نیت تصنیف کرتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ریا کار نہ ہو مگر یہ نیت ایسی ہی ہے کہ ایک مسافر کا اسباب بندھا رکھا ہے ٹکٹ اسٹیشن سے لانے کو آدمی کو بھیج رکھا ہے اور کوئی صاحب اس سے کہیں کہ تم امام بن کر پوری نماز پڑھا دو اور اس کے لئے قیام کی نیت کرلو غرض مبحث ریاء کا طویل اور زوال اس کا قدرے عسیر ہے(۱) مگر یہ نہیں کہ اس مرض کا ازالہ نہ ہو سکے یقیناً ازالہ ہوسکتا ہے مگر معالجہ کرنے سے۔

سلوک کی ابتداء وانتہاء

پس جو لوگ اس کے معالجہ میں مصروف ہیں اور پھر بھی ان کو شائبہ ریا کا پیش آجاتا ہے وہ بے فکر رہیں کیونکہ وہ واجب کو ادا کررہے ہیں ان کے ذمہ اُسی قدر ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس قدر تم سے ہوسکے اور دوسرے مقام پر جو فرمایا ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ﴾ یعنی اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جو اس سے ڈرنے کا حق ہے اور بظاہر اس میں اور آیت سابقہ میں تعارض معلوم ہوتا ہے چنانچہ سلف سے بھی منقول ہے کہ یہ ناسخ ومنسوخ ہیں یعنی ﴿اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ﴾ ''اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے'' منسوخ ہے اور ﴿اتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس قدر تم سے ہوسکے'' ناسخ ہے اور نسخ فرع ہے تعارض کی اس لئے سلف کے اس قول سے بھی تائید تعارض کی ہوئی سو حقیقت میں کچھ تعارض نہیں ہے کیونکہ ﴿اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ﴾ ''تو منتہائے سلوک ہے یعنی مقصود سلوک کا یہ ہے کہ حق تقویٰ حاصل ہو اور ﴿اتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ میں ابتداء سلوک کو بیان فرمایا ہے

(۱) غرض ریاء کی بہت سی قسمیں ہیں اور اس کا علاج مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں۔

کہ اس میں شیئا فشیئا (۱) کوشش کی جاتی ہے ان دونوں امروں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی امر کرے (۲) کہ چھت پر چڑھو اور وہ گھبرا جاوے کہ میں کیسے جاؤں تو اس کو کہا جاوے گا کہ زینہ پر بقدر استطاعت ایک ایک درجہ طے کر کے پہنچ جاؤ دوسری مثال یہ ہے کہ کوئی امر کرے کہ علاج کر کے اپنا بخار دور کرو اور گھبرا جاوے کہ کیا کوئی دوا ایسی ہے کہ آج ہی بخار جاتا رہے تو اس کو کہا جاوے گا کہ تھوڑی تھوڑی دوا پیا کرو بخار جاتا رہے گا اسی طرح مطلب حق تعالیٰ کا یہ ہے کہ بقدر استطاعت تقویٰ کرتے رہو یہاں تک کہ حق تقویٰ حاصل ہو جائے اور سلف نے جو اس میں نسخ کہا ہے تو وہ نسخ اصطلاحی نہیں ان کے عرف میں نسخ مطلق اختلاف کو کہتے ہیں (وَلَوْ بِالْاِجْمَالِ وَالتَّفْصِيْلِ) ''اگر چہ اجمال اور تفصیل کے ساتھ'' جیسا یہاں ہے غرض دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہو گیا کہ کام میں لگنے والے اور معالجہ کرنے والے ہرگز نہ گھبرائیں ان پر کوئی ملامت نہیں وہ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس قدر ہو سکے'' پر عمل کر رہے ہیں ان شاء اللہ ایک روز ان کو حق تقویٰ بھی حاصل ہو جاوے گا ہاں جو معالجہ سے غافل ہیں اور مرض کو بڑھا رہے ہیں ان پر البتہ ملامت ہے بہرحال ہم کو اپنی نیت کا خالص کرنا ضروری ہے تا کہ دین کی حقیقت ہم کو حاصل ہو۔

بعض گناہوں سے بچنے کی وجہ

اور آج کل اکثر لوگ اس خیال سے خالی ہیں حتی کہ دینداروں تک کی یہ حالت ہے کہ اعمال خیر کے ارتکاب اور اعمال سوء کے اجتناب میں بھی وضع اور رسم ورواج کے پابند ہیں (۳) چنانچہ بعض اعمال کے پابند ہیں جیسے نماز اور جس کا ترک ان کی شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے اس کے پابند ہیں جیسے نماز اور جس کا ترک خلاف شان نہیں سمجھا جاتا اس کے پابند نہیں جیسے حقوق العباد اسی طرح ہم لوگ

(۱) رفتہ رفتہ (۲) حکم دے (۳) اچھے اعمال کے کرنے اور برے اعمال سے رکنے میں بھی رسم ورواج کے پابند ہیں۔

غیبت تو کرتے ہیں مگر شراب نہیں پیتے سو شراب نہ پینا اس لئے نہیں کہ حق جل مجدہ راضی ہوں ورنہ غیبت کو بھی ترک کرتے بلکہ اس لئے ہے کہ باپ دادا نے شراب نہیں پی یہ خلاف وضع ہے اور غیبت وہ بھی کرتے رہے اس لئے خلاف وضع نہیں رشوت لیتے ہیں جُوا نہیں کھیلتے تو وجہ یہی ہے کہ جوا بازاروں میں بیٹھ کر کھیلنا بے حرمتی کا سبب ہے اور رشوت خاندانی رسم ہے وضع کے خلاف نہیں باپ نے لی دادا نے لی اور اپنے تمام ہمعصر ہم چشم(۱) لیتے ہیں اس لئے اس کے لینے میں باک نہیں بہت کم رہن کی آمدنی کھاتے ہیں اور عرفی سود نہیں لیتے وجہ یہ ہے کہ سود لینے والے کو ذلیل وخوار سمجھتے ہیں اور رہن کی آمدنی تو باپ دادا سے کھاتے چلے آئے ہیں وہ شان ریاست ہے بعض اعمال میں یہ ہے کہ جن کی ہمیں عادت ہے اور عرفاً وہ موجب ذلت بھی نہیں اور رسم ورواج کے بھی خلاف نہیں ہیں ان کے پابند ہیں اور جن کی عادت نہیں ہے یا موجب استخفاف سمجھے جاتے ہیں انکے پابند نہیں ہیں ﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ﴾ ''بعض کتاب پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو'' کے مصداق بن رہے ہیں اس پر دعویٰ ہے تقدس کا اور مدعی ہیں بزرگی کے صاحبو! یہ صورت دینداری کی تو ہے مگر حقیقت دینداری کی نہیں ہے۔ صاحبو! بادام اور شے ہے(۲) اور بادام کا چھلکا اور شئے ہے پستہ اور شئے ہے اور پوست اور شئے ہے اخروٹ اور شئے ہے اور چھلکا اور شئے ہے۔ اسی طرح آدمی کی صورت اور شئے ہے اور حقیقت اور ہے۔

ظاہر عمل اور حقیقت عمل میں فرق

گر بصورت آدمی انساں بدے احمدؐ وبوجہل ہم یکساں بدے
اینکہ می بینی خلاف آدم اند نیستند آدم خلاف آدم اند

(۱) ہمارے زمانے کے سب ہمارے ساتھی لیتے دیتے ہیں (۲) چیز۔

''اگر آدمی کی صورت کی وجہ سے انسان ہوتا تو احمدؐ اور ابوجہل یکساں ہوتے یہ کہ خلاف آدم کے تجھ کو نظر آتا ہے آدم نہیں ہیں آدم کے غلاف میں ہیں''

ایسی ہی ہمارے اعمال کی حالت ہے کہ اعمال کی صورت ہے حقیقت نہیں ہے ؎

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے حاصل خواجہ بجز پندار نیست

''خواجہ کو گمان ہے کہ اس کو کچھ حاصل ہے خواجہ کو بجز غرور کے کچھ حاصل نہیں''

ان ہی صورا عمال پر نظر منتصر کر کے ہر شخص بجائے خود سمجھ رہا ہے کہ مجھ میں کچھ ہے میں متقی ہوں ذاکر ہوں کوئی سمجھتا ہے کہ عالم ہوں حافظ ہوں اور اگر باطن کو دیکھا جاوے تو یہ حالت ہے ؎

از بروں چوں گور کافر پر حلل واندروں قہر خدائے عزوجل

از بروں طعنہ زنی بر بایزید واز درونت ننگ میدارد یزید

''باہر سے (ظاہر میں) کافر کی قبر کی طرح آراستہ اور مزین ہیں اور اندر (باطن میں) خدائے عزوجل کا عذاب ہو رہا ہے ظاہر سے تو بایزید بسطامی جیسے پر تو طعنہ زنی کرتا ہے اور تیری اندرونی حالت سے شیطان بھی شرماتا ہے''

اصل یہ ہے کہ ہم لوگوں کو حس نہیں رہی اگر بصیرت ہو تو معلوم ہو کہ سب اعمال میں نفس کی پچر لگی ہوئی ہوتی ہے(۱) واللہ العظیم ہم لوگوں کے اعمال وہ ہیں کہ قیامت کے روز اگر ہمارے جوتیاں نہ لگیں تو غنیمت ہے کس کا تقرب اور کیسے درجے۔

حقیقت دین

نیتیں تو بزرگوں کی ہوتی تھیں چنانچہ حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ ان کو ایک شخص نے کچھ نذر کی آپ نے کچھ عذر فرمایا اس لئے کہ اس میں کچھ شبہ تھا اگرچہ فتوے کی رو سے وہ شے جائز تھی مگر تقوے کے اعتبار سے اس کا لینا

(۱) نفسانی خواہشات لگی ہوتی ہیں۔

درست نہ تھا اور حکم شرعی یہ ہے کہ اگر تقوے کے اس خاص درجہ پر عمل کرنے سے دوسرے کی دل شکنی ہو تو فتوے پر عمل کرنا چاہیئے اس موقع پر تقوے کی حفاظت جائز نہیں اور ہماری حالت یہ ہے کہ اگر کسی بڑی مقدار میں ملے مثلاً پانچ سو روپیہ اور مشتبہ تو کیا مشتبہ سے بھی آگے اور بڑھ کر ہو تو تاویل کر کرا کر اس کو جائز کر لیں گے اور اگر کوئی ایک روپیہ دے تو سارا تقویٰ اُس میں چلا دیں گے القصہ حضرت حاتم نے اول انکار کیا جب اُس نے اصرار کیا تو لے لیا بخلاف ہم لوگوں کے کہ اگر ہمارے منہ سے ایک مرتبہ نہ نکل جاوے تو ہرگز نہ لیں گے کیونکہ اب لینا اپنی آن کے خلاف ہے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت آپ نے اول انکار کیوں کیا اور دوبارہ کیوں لے لیا فرمایا کہ اول اس لئے انکار کیا کہ اس کا لینا تقوے کے خلاف تھا اور جب اس نے اصرار کیا تو خیال کیا کہ نہ لینے میں تو میری عزت اور اس کی ذلت ہے اور لے لینے میں میری ذلت اور اس کی عزت ہے میں نے اس کی عزت کو اپنی عزت پر ترجیح دی یعنی میرے نہ لینے سے میری بات تو بنی رہتی مگر میرے بھائی کی وجاہت اور آبرو میں فرق آتا اور لینے میں میری شان کو دھبہ لگتا ہے لیکن اس کی بات بنتی ہے پس میں نے اپنی عزت اور آبرو کو لات ماری اور اپنے بھائی کی بات کو اونچا رکھا سبحان اللہ نیت یہ ہے اور حقیقت دین یہ ہے اور ہمارے اندر تو صورت ظاہری بھی کامل نہیں ہے اور حقیقت تو کہاں تھی اور یہ حال تو ہمارے آجکل کے دینداروں کا ہے کہ ان کی نیتیں خالص نہیں پھر عوام کا تو کیا ذکر ہے۔

عوام کا حال

بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ عوام الناس کی نیتیں اکثر اعمال میں بہ نسبت خواص کے اچھی ہوتی ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ اعمال صالحہ سے مثلاً لمبی لمبی نماز پڑھنے سے اور ذکر و شغل اور وظائف وغیرہ سے جو جاہ بڑھتی ہے وہ خواص کی ہی بڑھتی ہے اس لئے

وہی محل ریا بن سکتے ہیں اور عوام بیچاروں کو کون پوچھتا ہے اگر کسی گمنام عامی نے لمبی نماز پڑھی تب اور مختصر پڑھی تب ہر صورت میں کوئی بھی التفات نہیں کرتا ہاں عوام میں ایک کمی ہے وہ یہ کہ عمل کے وقت اکثر خالی الذہن ہوتے ہیں اس عمل کی نہ کوئی غایت مذمومہ(۱) ان کے ذہن میں ہوتی ہے اور نہ غایت محمودہ مگر عادت سے اور اجمالاً اس اعتقاد سے کہ خدا کا حکم ہے پڑھ لیتے ہیں مگر یہ (خُلُوُ عَنِ الْغَایَۃِ الْمَحْمُوْدَۃِ وَالْمذمومۃ) ''غرض محمود یا مذموم سے خالی) بھی اخلاص ہی میں داخل ہے۔

اخلاص نیت کے معنی سمجھنے میں غلطی

اس مقام پر اسی وقت ایک تحقیق ذہن میں آئی وہ یہ ہے کہ اخلاص نیت کے معنی یہ سمجھے جاتے ہیں کہ کسی نیک عمل کے کرنے کے وقت اس امر کا بھی تصور وقصد ہو کہ یہ عمل حق تعالیٰ کی رضا کے واسطے ہے اب دیکھنا چاہئیے کہ اس معنی کے اعتبار سے اخلاص کا وجود کہیں متحقق ہے کہ نہیں ہم غور کر کے جو دیکھتے ہیں۔ تو اس معنی کے اعتبار سے عوام میں تو کیا خواص میں بھی اخلاص نہیں نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں تلاوت کرتے ہیں اور کبھی عمل سے پہلے خصوصیت کے ساتھ ابتغاء مرضاۃ حق کا تصور تک بھی نہیں ہوتا ہے (۲) چنانچہ ابھی سب نے نماز جمعہ کی پڑھی ہے کسی کے دل میں بھی تصور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا نہیں ہوا ہوگا۔ غایۃ ما فی الباب (۳) گاہ گاہ نیک عمل کرتے وقت اس کا تصور ہوجاتا ہے کہ یہ ایک نیک کام ہے پس اگر نیت کے معنی یہی ہیں کہ قصد کرنا رضائے حق کا تو اس معنی کو تو کسی کی نیت بھی خالص نہیں اور دنیا میں کوئی بھی مخلص نہیں کیونکہ اکثر اوقات اس کا بلکہ کسی اور غایت کا بھی مطلق تصور نہیں آتا۔

عقلی مسئلے پر اشکال

اور اسی بنا پر یہ جو عقلی مسئلہ مشہور ہے کہ افعال اختیاریہ کا صدور مسبوق

(۱) نہ کوئی برا مقصد ان کے ذہن میں ہوتا ہے نہ اچھا (۲) اللہ پاک کی خوشنودی تلاش کرنے کا تصور تک بھی نہیں ہوتا (۳) زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کبھی کبھی عمل کرتے وقت اس کا تصور ہوجاتا ہے۔

بصور الغایۃ ہوتا ہے(۱) مجھ کو اس مسئلہ میں ایک شبہ ہے کیونکہ اکثر مواقع پر کوئی غایۃ(۲) بھی ذہن میں نہیں ہوتی۔ تنویر(۳) اس کی یہ ہے کہ ہم سے بہت سے افعال میں اگر بجرد صدور(۴) کوئی دریافت کرے کہ یہ فعل کیا فائدہ سمجھ کر کیا ہے تو ہم حیران رہ جاتے ہیں کہ کیا فائدہ بیان کریں ہاں کچھ دیر کے بعد گڑھ مڑھ کر کوئی وجہ بیان کردیں تو وہ اور بات ہے ہاں اگر غایت پہلے سے سوچ لیتے ہیں تو بجرد سوال اس کو بیان کردیتے ہیں مثلاً ہم کسی امر پر زدوکوب کریں اور بعد اس ضرب کے کوئی ہم سے وجہ پوچھے تو فوراً بتلادیں گے کہ اس وجہ سے مارا تو وجہ یہ ہے کہ پہلے اس غایت کا قصد ہوگیا تھا۔ اور اگر دو وقت کے کھانا کھانے کے بعد فوراً اس کا جواب لینا چاہیں کہ تم نے کھانا اُس وقت کیا فائدہ سوچ کر کھایا تو کوئی معقول وجہ بے سوچے نہیں بتلا سکتے کیونکہ پہلے سے تصور نہ تھا اس لئے نہیں بتلا سکے۔ اس لئے یہ قاعدہ اب تک سمجھ میں نہیں آیا ہاں اگر یوں کہا جاوے کہ اجمال کے درجہ میں غایۃ کا تصور ہوتا ہے تو خیر مگر علم تفصیلی تو ہرگز نہیں ہوتا پس نیت کے اگر یہ معنی لئے جاویں گے تو تمام ہی مسلمانوں کے اعمال بیکار ٹھہریں گے۔

نیت کے معنی

اب نیت کے معنی میں عرض کرتا ہوں نیت کے معنی ہیں ارادہ کے یعنی وہ فعل اختیاراً اور قصداً ہوا ہو مثلاً وضو کے دو طریق ہیں ایک تو یہ کہ ارادہ کرکے وضو کرے اور دوسرے یہ کہ کوئی شخص حوض میں یا نہر میں غوطہ لگادے اور اُس کے ضمن میں وضو بھی ہوجاتا ہے اور شافعیہ فرماتے ہیں کہ وضو نہیں ہوتا اس لئے کہ ان کے نزدیک نیت ضروری ہے اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک نیت کے معنی ارادہ کے ہیں

(۱) انسان سے جب بھی کوئی فعل اختیاری سرزد ہوگا اس کا کوئی نہ کوئی مقصود ہوگا (۲) مقصد (۳) وضاحت (۴) بہت سے کاموں میں اگر کوئی ان کے کرنے کے ساتھ ہی وجہ پوچھے تو ہم حیران ہوجاتے ہیں۔

دوسری مثال لیجئے اگر کوئی شخص بلا ارادہ صلوٰۃ(۱) اُٹھک بیٹھک کرتا رہے اگرچہ تمام ارکان صلوٰتیہ ادا کرے مگر فقہاء فرماتے ہیں کہ نماز نہ ہوگی اس لئے کہ بلا نیت یہ صلوٰۃ ہے پس ان تمام جزئیات سے معلوم ہوا کہ نیت کے معنی ارادہ کے ہیں۔

نیت کی اقسام

پس نیک عمل میں نیت تین طرح کی ہوسکتی ہے ایک یہ کہ وہ فعل قصداً اور اختیاراً کیا جاوے لیکن اس میں نہ غایۃ محمودہ کا تصور ہو نہ غایۃ مذمومہ(۲) کا دوسرے یہ کہ غایۃ محمودہ کا قصد ہو مثلاً یہ کہ میں نماز اس لئے پڑھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ خوش ہو۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ غایۃ مذمومہ کا(۳) ارادہ ہو مثلاً نماز اس لئے پڑھے کہ مخلوق کے نزدیک بڑا بنے۔ پس ان تینوں صورتوں میں سے ریاء مذموم اخیر کی صورت ہے اور صورت اولیٰ وثانیہ اخلاص میں داخل ہے اس لئے کہ ریاء یہ ہے کہ مخلوق کے نزدیک بڑا بننے کے لئے کوئی فعل کرے سو اس کے ارتفاع(۴) کی دونوں صورتیں ہیں ایک یہ کہ کوئی غایت مقصود نہ ہو ہاں محرک اس کا امتثال ہو گو اس امتثال کی کوئی غایت تصور میں نہ آوے اور ایک یہ کہ مقصود ہو اور محمود ہو مقید کا ارتفاع کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ وہ قید نہ ہو دوسری خالص قید سے مقید ہو اور کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ وہ دوسری قید بھی نہ ہو۔ البتہ صورت اولیٰ اخلاص کا ادنیٰ درجہ ہے اور صورت ثانیہ اعلیٰ درجہ۔

رفع اشکال

غرض کہ یہ جو سمجھتے ہیں کہ اگر کسی خاص غایت کی نیت نہ ہو تو اخلاص نہیں یہ غلط ہے پس نیت کے معنی واضح ہوجانے سے معلوم ہوا کہ الحمدللہ خوش نیت اور مخلصین سے دنیا ابھی خالی نہیں ہوئی شاید میری ابتدائی تقریر اور اخیر تقریر میں کوئی

(۱) بغیر نماز کے ارادے کے صرف رکوع سجدہ کرتا رہے (۲) اس فعل کے کرنے کی غرض نہ اچھی ہو نہ ہی بری (۳) بری غرض (۴) اسکے دور کرنے کی۔

تعارض سمجھے کہ اول میں تو شکایت تھی کہ اخلاص مفقود ہوگیا ہے اور فساد نیت میں عوام وخواص سب مبتلا ہیں اور آخر میں ثابت ہوا کہ ابتلاء عام نہیں ہے بلکہ مخلصین بھی بہت ہیں تو ظاہر نظر میں یہ شبہ ہوتا ہے ورنہ واقع میں کچھ تعارض ہی نہیں اس لئے کہ میری تقریر کا حاصل دو امر کا اہتمام ہے اول یہ کہ جن لوگوں کے اعمال میں غایت مذمومہ نہیں یا ہے مگر انہوں نے معالجہ شروع کردیا ہے اگرچہ ان کے اندر امراض بھی ہیں ان پر ملامت نہیں ہے کیونکہ انہوں نے ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس قدر ہو سکے'' پر عمل شروع کردیا ہے اور کثرت سے وہ لوگ پائے جاتے ہیں جن میں غایت مذمومہ موجود ہے اور معالجہ کی فکر نہیں کرتے پس مراد ابتداء تقریر سے یہ ہے کہ بکثرت مبتلا ہوکر بھی بے فکر ہیں اور آخر تقریر سے مقصود یہ ہے کہ اخلاص کے ادنیٰ درجہ سے بھی نفی اخلاصیت کی نہ کرنی چاہئیے۔

شرائط معالجہ

باقی جنہوں نے اپنے کو کسی معالج کے سپرد کردیا ہے ان کو پریشان نہ ہونا چاہیے ان کو یہ کہا جاتا ہے ؎

کوئے نومیدی مرو کامیدہاست سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست

''ناامیدی کی راہ نہ جاؤ بہت سی اُمیدیں ہیں تاریکی کی طرف نہ چلو بہت سے آفتاب ہیں''

وہ جب لگے ہیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ پہنچ جاویں گے اور ؎

اندریں رہ می تراش ومیخراش تادم آخر دمے فارغ مباش

''اس طریق وصول الی اللہ میں تراش خراش کرتے رہو اور آخر وقت تک بھی ایک لحظہ فارغ مت رہو''

البتہ معالجہ کے لئے دو شرطیں ہیں اول شرط یہ ہے کہ علم دین ہوتا کہ اعمال

یا اغراض کا محمود و مذموم (۱) ہونا معلوم ہو سکے اور ہر کام میں یہ سمجھ سکے کہ اس میں میرا کیا قصد ہے آیا مذموم ہے یا محمود ہے (۲) پھر عمل سے پہلے مراقبہ و محاسبہ کرتا رہے دوسری شرط یہ ہے کہ اپنے کو کسی طبیب حاذق (مرشد کامل) کے سپرد کر دے اور اپنے حال کی اُس کو وقتاً فوقتاً اطلاع دیتا رہے اور اس کی رائے کا اتباع کرے جو کچھ وہ تجویز کرے خواہ سمجھ میں آوے یا نہ آوے انقیاد کرے (۳)۔ بعض دفعہ شیخ یہ تجویز کرتا ہے کہ تم تمام رات سویا کرو اور آدھ گھنٹہ جاگا کرو یا یہ کہ تلاوت قرآن اور نوافل چھوڑ دو تو بظاہر تو یہ ارشاد شیخ کا سمجھ میں نہیں آتا لیکن اتباع اس کا ضروری ہے اس لئے کہ ؎

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید کہ سالک بیخبر نبود زراہ و رسم منزلہا

''امر مباح جو بظاہر طریقت کے خلاف ہونے سے منکر معلوم ہوتا ہے اگر مرشد بتلادے تو اس پر عمل کرے اس کو حقیر نہ سمجھے کیونکہ شیخ کو اس کے نشیب و فراز کا زیادہ تجربہ ہے''

اس شعر کے معنی یہ نہیں ہیں کہ شیخ کے حکم سے شراب اس قدر پیو کہ سجادہ بھی آلودہ (۴) ہو جائے اس لئے کہ ہر جگہ ترجمہ حقیقی ہی نہیں مراد ہوا کرتا۔

ہر جگہ حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے

جیسا کسی کی حکایت ہے کہ ایک مقام پر دو شخصوں کی آپس میں لڑائی ہو رہی تھی اور آپس میں مار پٹائی کی نوبت آ گئی ان میں سے ایک کا کوئی دوست وہاں آنکلا اس نے آ کر اپنے دوست کے دونوں ہاتھ زور سے پکڑ لئے اب وہ کچھ نہ کر سکا مقابل نے اس کو خوب فراغت سے مارا کوٹا لوگوں نے پوچھا کہ میاں تم نے یہ کیا حرکت کی تو وہ کہتا ہے کہ میں نے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کیا ؎

(۱) تا کہ غرض کا اچھا یا برا ہونا معلوم ہو سکے (۲) اس میں میرا کیا ارادہ ہے اچھا یا برا (۳) اس کی فرماں برداری کرے (۴) شراب اتنی پیو کہ قالین تک بھر جائے۔

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست در پریشاں حالی ودرماندگی

''دوست وہ ہے جو اپنے دوست کا پریشانی اور عاجزی کی حالت میں ہاتھ پکڑے یعنی مدد کرے''

اس سے زیادہ پریشانی کی حالت کیا ہوگی اس لئے میں نے اس حالت میں اس کے ہاتھ پکڑ لئے تو اس جاہل نے ''گیرد دست'' کے حقیقی معنی لئے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ یہاں حقیقی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ دست گرفتن (ہاتھ پکڑنا) اعانت کردن (مدد کرنا) مراد ہے اسی طرح آجکل چونکہ اصطلاحات سے واقفیت نہیں ہے اس لئے حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار کو اکثر لوگ غلط سمجھتے ہیں اور ''مے'' اور ''رندی'' وغیرہ سے حقیقی معنی مراد لیتے ہیں حالانکہ اس شعر کے اندر ہی اگر غور کیا جاوے تو خود اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ صاحب خلاف شرع امر کا حکم نہیں فرماتے اس لئے کہ آگے فرماتے ہیں کہ:۔

سالک بیخبر نبود زراہ ورسم منزلہا

''کہ سالک راہ ورسم اور منزل سے بے خبر نہیں ہوتا''

جبکہ وہ سالک طریق ہے تو خلاف شریعت کیسے بتائے گا۔

تربیت کے دو طریقے

خلاصہ مطلب شعر کا یہ ہے کہ تربیت کے دو طریق ہیں ایک جذب دوسرا سلوک جذب یہ ہے کہ طالب پر ذکر وفکر کے ذریعہ سے غلبہ محبت کا کیا جاوے اور اعمال زاہدہ میں کم لگایا جاوے اور اس طریق محبت کے ذریعہ سے اس کو مقصود تک پہنچایا جاوے۔ دوسرا طریق سلوک ہے وہ یہ ہے کہ تلاوت قرآن اور نوافل وغیرہ میں زیادہ مشغول کیا جاوے پس مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص طریق سلوک کو اپنی استعداد کے مناسب سمجھ کر پسند کرے اور شیخ اس کے طریق جذب کو پسند کرے تو اس کو خطاب

کررہے ہیں بے سجادہ الخ مے سے مراد عشق ومحبت ہے یعنی اے طالب تو اپنی رائے کو دخل مت دے بلکہ شیخ نے جو تیرے لئے طریق محبت کو تجویز کیا ہے اسی کو اختیار کرو۔

شیخ پر اعتماد

دوسری جگہ حافظ صاحب فرماتے ہیں ؎

فکر خود ورائے خود در عالم رندی نیست کفرست دریں مذہب خود بینی وخودرائی

''اپنی رائے اور فکر کو راہ سلوک میں کچھ دخل نہیں ہے اس طریق میں خود بینی اور خودرائی کفر ہے''

پس اتباع شیخ کے ساتھ اعتماد بھی ہونا ضروری ہے اس زمانہ میں اعتماد بہت کم رہ گیا ہے شیخ کی بعض سرسری تجویز پر یہ سمجھتے ہیں کہ شیخ کو ہمارے حال پر توجہ نہیں ہے یا ہماری طفلی تسلی کردیتے ہیں سوخوب سمجھ لو کہ جس مریض کو طبیب پر اور طبیب کے نسخے پر بھروسہ نہ ہو اس کو کبھی شفا نہ ہوگی طبیب پر بھروسہ ہونا چاہیئے اور شفا میں تاخیر ہونے سے گھبراوے نہیں ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور شفا ہوگی مگر یہ ضروری نہیں کہ جب مریض نے شفا کی نیت کی ہے جب ہی ہوجاوے۔ معالجۂ باطن کی حالت بالکل معالجۂ ظاہری کی سی ہے جس طرح طبیب نہایت آہستہ رفتار سے حسب استعدادِ مریض معالجہ کرتا ہے(۱) اور ادویہ مناسبہ وقتاً فوقتاً بدلتا ہے اسی طرح بعینہ مرشد کامل طالبین کی تربیت کرتا ہے اور عروق میں سے (۲) مرض کو نکالتا ہے طالب کو چاہیئے کہ پریشان نہ ہو اور نہ شیخ سے بداعتقاد ہو شیخ گویا زبان حال سے کہتا ہے ؎

من غم تو میخورم تو غم مخور بر تو من مشفق ترم از صد پدر

''میں تیرا غم خوار ہوں تو غم مت کر میں تجھ پر سینکڑوں باپوں سے زیادہ شفیق ہوں''

---

(۱) مریض کی استعداد کے مطابق علاج کرتا ہے (۲) اسکی رگ رگ میں سے مرض کو نکالتا ہے۔

اتباع شیخ

حاصل یہ ہے کہ شیخ کا اتباع اور انقیاد کرتا رہے اور اپنی رائے اور تدبیر پر نہ چلے کام میں لگا رہے تو ان شاء اللہ ایک دن کامیاب ہوگا۔ ایک شخص میرے پاس اپنی حالت لکھا کرتے تھے اور پریشانی اپنی ظاہر کرتے تھے میں برابر ان کی تسلی کرتا تھا کہ آپ پریشان نہ ہوں آپ کی حالت بہت اچھی ہے جب کسی بات سے تسلی نہ ہوئی آخر میں نے لکھا کہ ہم کو تمہاری تسلی کی ضرورت نہیں ہم کو تمہاری حالت سے اطمینان اور تسلی ہے اس لکھنے سے ان کی تسلی ہوگئی۔ حاصل یہ کہ اتنی بے فکری بھی بری ہے کہ علاج ہی نہ کرے اور اس قدر فکر بھی مضر ہے کہ باوجود طبیب کے سپرد کردینے کے بھی کسی وقت فکر سے خالی نہ ہو جب طبیب کے سپرد کردیا اب بے فکر ہوجانا چاہئے بس پھر اس کی اتباع کی فکر رکھے اور منتظر رہے ان شاء اللہ ایک وہ دن ہوگا کہ ؎

یوسف گم گشتہ باز آید بہ کنعاں غم مخور کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

''یوسف گم گشتہ کنعان میں واپس آتا ہے غم مت کرو غم کدہ کسی دن گلستان بن جائیگا غم مت کرو''

الحمدللہ حدیث شریف کے تمام اجزاء کی بقدر ضرورت تفصیل ہوگئی ہے حق تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (۱)

(۱) اللہ تعالیٰ تمام پڑھنے والوں کو علم و عمل میں اخلاص عطا فرمائے آمین۔

خلیل احمد تھانوی